ورزش کے شُعبہ کو مفید سے مفید تر بنایا جائے اور ہر چھوٹے بڑے احمدی کو لکھنا پڑھنا سکھایا جائے

(فرمودہ ۱۰؍ مارچ ۱۹۳۹ء)

تشہّد ،تعوّذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

''آج مَیں اپنے گزشتہ خطبات کے سلسلہ میں خدّام الاحمدیہ کے قریب کے پروگرام کے متعلق دو اَور ضروری امور بیان کرتا ہوں۔ سات امر میں پہلے بیان کر چُکا ہوں۔ آٹھواں امر یہ ہے کہ انسانی صحت دماغ پر خاص اثر کرتی ہے۔ ہزاروں کام دُنیا کے ایسے ہیں جو صحتِ جسمانی سے تعلق رکھتے ہیں گو وہ دین کا حصّہ نہیں۔ اِس میں کوئی شُبہ نہیں کہ خالص دماغی کام انسان چارپائی پر لیٹے ہوئے بھی کرسکتا ہے لیکن بعض قسم کی صحت کی خرابی دماغ کے اندر بھی خرابی پیدا کردیتی ہے۔ ہر انسان ایسا نہیں ہوتا کہ بیماری کی حالت میں بھی اُس کا دماغ کام کر رہا ہو۔ یہ ایک باریک مضمون ہے اور اِس کے بیان کا یہاں موقع نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو حقیقی صحت ہوتی ہے وہ جسم کے اعضاء کی بیماریوں کے ساتھ اتنا تعلق نہیں رکھتی جس قدر کہ اُس کی اندرونی طاقتوں کے ساتھ۔ انسانی جسم کی طاقت دو قسم کی ہوتی ہے ایک اعضاء کی ظاہری بیماری اور ایک جسم کی قوتِ برداشت یا حقیقی صحت۔ کبھی کبھی یہ قوتِ برداشت قدرتی طور پر اتنی زبردست ہوتی ہے کہ ظاہری بیماریاں آکر بھی اِسے توڑ نہیں سکتیں۔ ایسی صورت میں انسانی دماغ

ہر حالت میں کام کرسکتا ہے۔ مگر بعض حالات میں قوتِ برداشت بھی کمزور ہوتی ہے اور ظاہری عوارض بھی لگے ہوتے ہیں ایسا انسان بیماری کے ساتھ دماغی قابلیت بھی کھوتا چلا جاتا ہے۔ عام قانون یہی ہے کہ جو اوسط درجہ کی قوت برداشت کا انسان ہو اُس کی خرابیٔ صحت کے ساتھ دماغ پر بُرا اثر ضرور پڑتا ہے۔ کم سے کم سُستی، کسل اور ہمت کی کمی ضرور پیدا ہو جاتی ہے اور کسل، سُستی اور ہمت کی کمی بھی ایسے امور ہیں کہ اگر کسی قوم میں پیدا ہو جائیں تو خطرناک نتائج ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ یہ بات ظاہر ہی ہے کہ خواہ قوتِ برداشت کیسی ہو بیماری میں انسان بعض کام نہیں کرسکتا مثلاً اگر نظر کمزور ہو تو خواہ دماغی قابلیت کتنی ہی زبردست کیوں نہ ہو انسان لڑائی کے قابل نہیں ہوتا اور وہ فوج میں بھرتی کے لئے موزوں نہیں سمجھا جاتا کیونکہ فوج کے لئے جس قسم کی قوت کی ضرورت ہے وہ اُسے حاصل نہیں ہوتی اور یہ ایک ایسی بات ہے جس کا خصوصاً بچپن میں لحاظ رکھنا نہایت ضروری ہوتا ہے۔ ورزشوں کی عادت جو ڈالی جاتی ہے وہ اِسی لئے ہوتی ہے کہ انسان کے جسم میں چُستی اور پھرتی پیدا ہو اور اُس کے اعضاء درست رہیں اور اس کی ہمت بڑھے۔ ورزش سے پسینہ آتا ہے جس سے بہت سے زہر دور ہوتے ہیں اور اِس لئے ورزش کو نظر انداز کر کے کُلّی طور پر بچہ کو دماغی کام میں لگانا دماغ کو کمزور کرنے کا موجب ہوتا ہے۔ بچپن میں کھیل کُود اور ورزش انسان کی فطرت میں اِسی لئے رکھی گئی ہے تا کہ اُس کی جسمانی قوتِ برداشت بڑھ جائے۔ اِسی لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اَلصَّبِيُّ صَبِيٌّ وَ لَوْ كَانَ نَبِيًّا یعنی بچہ بچہ ہی ہے خواہ وہ آئندہ نبی ہونے والا ہو۔ بے شک وہ چند سالوں کے بعد نبی بن جائے گا مگر بچپن کی حالت میں اُس کی خواہشات ضرور ایسی ہی ہوں گی جو بچپن سے مناسبت رکھتی ہوں گی۔ وہ کھیلے گا بھی، کُودے گا بھی اور اُن تمام حالات سے گزرے گا جن میں سے بچے عام طور پر گزرتے ہیں۔ بچپن کی حالت کے لئے جو لوازم مخصوص ہیں کوئی بچہ خواہ بڑا ہو کر نبی ہونے والا ہو وہ بھی اُن میں سے ضرور گزرے گا اور اُس کی یہ حالت بعد کی زندگی میں اُس کے لئے کسی اعتراض کا موجب نہیں ہوسکتی۔ پس اِس عمر میں ورزش کے ذریعہ بچہ کی تربیت اشد ضروری ہوتی ہے اور اُسے کلی طور پر دماغی کام میں لگا دینا خطرناک ہوتا ہے۔ اِس زمانہ میں اُس کی صحیح تربیت کا طریق وہی ہے جو اُسے کھیل کُود سکھائے۔

پہلے تو جب وہ بہت چھوٹا ہو کہانیوں کے ذریعہ اس کی تربیت ضروری ہوتی ہے۔ بڑے آدمی کے لئے تو خالی وعظ کافی ہوتا ہے لیکن بچپن میں دلچسپی قائم رکھنے کے لئے کہانیاں ضروری ہوتی ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ کہانیاں جھوٹی ہوں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہمیں کہانیاں سُنایا کرتے تھے کبھی حضرت یوسفؑ کا قصّہ بیان فرماتے، کبھی حضرت نوحؑ کا قصّہ سُناتے اور کبھی حضرت موسیٰؑ کا واقعہ بیان فرماتے مگر ہمارے لئے وہ کہانیاں ہی ہوتی تھیں گو وہ تھے سچے واقعات۔ ایک حاسد و محسود کا قصہ الف لیلیٰ میں ہے وہ بھی سُنایا کرتے تھے۔ وہ سچا ہے یا جھوٹا بہرحال اِس میں ایک مُفید سبق ہے۔ اِسی طرح ہم نے کئی ضربُ الاَمثال جو کہانیوں سے تعلق رکھتی ہیں آپ سے سُنی ہیں۔ پس بچپن میں تعلیم کا بہترین ذریعہ کہانیاں ہیں گو بعض کہانیاں بے معنی اور بے ہودہ ہوتی ہیں مگر مُفید اخلاق سکھانے والی اور سبق آموز کہانیاں بھی ہیں اور جب بچہ کی عمر بہت چھوٹی ہو تو اِس طریق پر اُسے تعلیم دی جاتی ہے۔ پھر جب وہ ذرا ترقی کرے تو اس کے لئے تعلیم و تربیت کی بہترین چیز کھیلیں ہیں۔ کتابوں کے ساتھ جن چیزوں کا علم دیا جاتا ہے کھیلوں سے عملی طور پر وہی تعلیم دی جاتی ہے مگر کہانیوں کا زمانہ کھیل سے نیچے کا زمانہ ہے لیکن کوئی عقلمند کبھی یہ پسند نہیں کرتا کہ اس کے بچوں کو کہانیاں سُنانا کہانیاں بتانا کلی طور پر کسی جاہل کے سپرد کر دیا جائے یا بچوں ہی کے سپرد کر دیا جائے بلکہ اِس کام پر ہر قوم کے بڑے بڑے ماہرینِ فن لگے رہتے ہیں۔ دُنیا کے بہترین مصنّف جو لاکھوں روپے سالانہ کماتے ہیں وہ کہانیاں ہی لکھتے ہیں گو اب بہت سی کہانیاں بڑے لوگوں کو مدّنظر رکھ کر لکھی جاتی ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ کہانیاں اگر بڑے لوگوں کے لئے ہوں تو وہ بھی بچپن ہی سے تعلق رکھتی ہیں کیونکہ درحقیقت وہ انسان کی بچپن کی حالت سے ہی تعلق رکھتی ہیں کیونکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ انسان پر بڑی عمر میں بھی بچپن کے زمانہ کے دَورے آتے رہتے ہیں اور اُسی وقت وہ کہانیوں کی طرف راغب ہوتا ہے یعنی اُس کا دماغ تھک کر سنجیدہ اور مُشکل طریق پر دُنیا سے سبق حاصل کرنے کے قابل نہیں رہتا اور اس وقت وہ چاہتا ہے کہ کہانیوں کے ذریعہ سے دُنیا کے تجارب اور علوم حاصل کرے۔

پس وہ بھی بچپن کے مشابہ ایک حالت ہے اور اِس کام کے لئے قوموں کے بہترین دماغ

لگے رہتے ہیں اور یہ کافی نہیں سمجھا جاتا کہ کم علم اور جاہل لوگ اِس کام کو کریں لیکن تعجب ہے کہ اِس کے بعد کے زمانہ کی تعلیم کے انتظام کے لئے جو کھیل کا زمانہ ہے اور جس میں کھیل کے ذریعہ علم کا سکھانا ضروری ہوتا ہے اور اِس عمر کے لئے جب بچہ علم کی سب سے مضبوط بنیاد قائم کر رہا ہوتا ہے ایسے جاہلوں پر بچوں کو چھوڑ دیا جاتا ہے جو انسانی فطرت کا مطالعہ کرنے کی قابلیت ہی نہیں رکھتے۔ یہ ایسی ہی بات ہے کہ جیسے کوئی شخص اپنے بچہ کے لئے جب وہ بہت چھوٹی عمر کا ہو اعلیٰ درجہ کے درزی سے سوٹ سلوائے مگر جب وہ بڑا ہو کر سوسائٹی میں ملنے جلنے لگے تو اُس کے کپڑے کسی گاؤں کی درزن سے سلوائے حالانکہ چھوٹا بچہ تو جیسے بھی کپڑے پہن لے کوئی حرج نہیں ہوتا لیکن بڑا ہو کر کپڑوں کا خاص خیال رکھنا پڑتا ہے۔ بعض پابندیاں بڑے آدمیوں کے لباس کے لئے قانون کی طرف سے ہوتی ہیں، بعض اصولِ صحت کی طرف سے اور بعض سوسائٹی کی طرف سے اور وہ اُن کا خیال رکھنے کے لئے مجبور ہوتا ہے مگر کِس قدر عجیب بات ہوگی کہ اس زمانہ کا لباس تو کسی اناڑی کے سپرد کر دیا جائے مگر جب وہ بہت چھوٹا بچہ ہو تو اُس کے لئے اعلیٰ درجہ کے درزی سے سوٹ سلوائے جائیں۔ بچپن کے زمانہ میں پہلا زمانہ وہ ہوتا ہے جب بچے کو کہانیوں کے ذریعہ دلچسپی پیدا کی جاتی اور تعلیم دی جاتی ہے۔ اِس زمانہ کے متعلق دُنیا کا متفقہ فیصلہ ہے کہ اعلیٰ درجہ کی دماغی قابلیت رکھنے والوں کے سپرد یہ کام ہونا چاہئے اور اِس بات کو ہم نظر انداز نہیں کر سکتے اور اِس بات کو نہایت ضروری اور مناسب سمجھتے ہیں کہ کہانیوں کو ایسے رنگ میں بچہ کے سامنے پیش کیا جائے کہ جس سے وہ زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھا سکے اُسے ایسی کہانیاں سُنائی جائیں جو اُس کے اخلاق کو بُلند، نظر کو وسیع اور اس کے اندر ہمت پیدا کرنے والی ہوں اور اُس کے اندر قومی ہمدردی کا مادہ پیدا کریں مگر اِس کے بعد کا زمانہ جو زیادہ اہم ہوتا ہے اور جو کھیل کُود کا زمانہ ہے۔ حیرت ہے کہ بنی نوع نے اِس کی ضرورت اور اہمیت کو محسوس ہی نہیں کیا کہ وہ بھی اِسی طرح اعلیٰ درجہ کے لوگوں کی نگرانی میں ہونا چاہئے۔ کہانیوں کے متعلق تو یہ خیال رکھا جاتا ہے کہ وہ اعلیٰ درجہ کے دماغوں اور فاضل لوگوں کی تیار کردہ ہوں اور ایسے رنگ کی ہوں کہ جس سے بچوں کو فائدہ پہنچے مگر کھیل کے زمانہ کا کوئی خیال ہی نہیں رکھا جاتا اور یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ کھیل کُود بچوں کا کام ہے بڑوں کا اِس میں دلچسپی لینا

مناسب نہیں ۔ حالانکہ اگر کھیل کُود بچوں کا کام ہے تو کہانیاں بھی تو بچوں سے ہی تعلق رکھتی ہیں ۔ پھر جب ابتدائی عمر کی کھیل یعنی کہانیوں کے متعلق احتیاط کی جاتی ہے تو کیوں بڑی عمر کی کھیل میں اِس سے زیادہ احتیاط نہ برتی جائے اِس زمانہ میں جو تعلیم دی جاتی ہے وہ تو کہانیوں کے زمانہ سے بہت زیادہ اہم ہے ۔

پس مَیں خدّام الاحمدیہ کو نصیحت کرتا ہوں کہ بچوں کے کھیل کُود کے زمانہ کو وہ زیادہ سے زیادہ مُفید بنانے کی کوشش کریں اور کوشش کریں کہ کھیلیں ایسی ہوں کہ جو نہ صرف جسمانی قوتوں کو بلکہ ذہنی قوتوں کو بھی فائدہ پہنچانے والی ہوں اور آئندہ زندگی میں بھی بچہ اِن سے فائدہ اُٹھا سکے ۔ اِن میں تین باتوں کا خیال رکھا جائے ۔ ایک تو جسم کو فائدہ پہنچے، دوسرے ذہن کو فائدہ پہنچے اور تیسرے وہ آئندہ زندگی میں ان کے کام آسکیں ۔ جس کھیل میں یہ تینوں باتیں ہوں گی وہ کھیل کھیل ہی نہیں بلکہ اعلیٰ درجہ کی تعلیم بھی ہوگی اور وہ طالب علم کے لئے ایسی ہی ضروری ہوگی جیسی کتابیں ۔ جب مَیں یہ کہتا ہوں کہ کھیلیں ایسی ہوں جو ذہنی تربیت کے لئے مُفید ہوں تو میرا مطلب یہ ہے کہ اِن کے ساتھ بچوں کی دلچسپی بھی قائم رہے ۔ یہ نہیں ہونا چاہئے کہ وہ ایک فلسفہ بن جائے اور بچوں کو زبردستی کھلانی پڑیں ۔ ایسی کھیل ذہنی نشوونما کا موجب نہیں ہوسکتی اور نہ ہی جسم اِس سے پورا فائدہ اُٹھا سکتا ہے ۔ مَیں نے بارہا اِس امر کی طرف توجہ دلائی ہے اور بتایا ہے کہ یہ کام نہایت آسانی سے کیا جاسکتا ہے اور ورزش کے شُعبہ کو مُفید بلکہ مُفید ترین بنایا جاسکتا ہے بشرطیکہ اِس میں تین باتوں کا خیال رکھا جائے ۔ ایک تو یہ کہ وہ آئندہ زندگی میں بھی مُفید ثابت ہونے والی ہوں نہ صرف بچپن میں بلکہ بڑے ہوکر بھی فائدہ دینے والی ہوں ۔ بچپن میں کھیل کا جو فائدہ ہوتا ہے وہ بھی حاصل ہو، جسم بھی مضبوط ہو اور ذہن بھی ترقی کرے ۔ بچپن میں جو کہانیاں بچوں کو سُنائی جاتی ہیں اُن کا مقصد ایک تو یہ ہوتا ہے کہ بچہ شور نہ کرے اور ماں باپ کا وقت ضائع نہ کرے لیکن اگر وہ کہانیاں ایسی ہوں جو آئندہ زندگی میں بھی فائدہ دیں تو یہ کتنی اچھی بات ہے ۔ جیسے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمیں کہانیاں سُنایا کرتے تھے ۔ کہانیاں سُنانے کا جو فائدہ اس وقت ہوتا ہے وہ بھی ان سے حاصل ہوتا تھا ۔ اگر اُس وقت آپ وہ کہانیاں نہ سُناتے تو پھر ہم شور مچاتے اور آپ کام نہ کرسکتے ۔ پس یہ

ضروری ہوتا کہ ہمیں کہانیاں سُنا کر چُپ کرایا جاتا اور یہی وجہ تھی کہ رات کے وقت ہماری دلچسپی کو قائم رکھنے کے لئے آپ بھی جب فارغ ہوں کہانیاں سُنایا کرتے تھے۔ تا ہم سو جائیں اور آپ کام کر سکیں۔ بچہ کو کیا پتہ ہوتا ہے کہ اِس کے ماں باپ کتنا بڑا کام کر رہے ہیں۔ اُسے تو اگر دلچسپی کا سامان مہیا نہ کیا جائے تو وہ شور کرتا ہے اور کہانی سُنانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ بچے سو جاتے ہیں اور ماں باپ عُمدگی سے کام کر سکتے ہیں اور کہانیوں کی یہ ضرورت ایسی ہے جسے سب نے تسلیم کیا ہے گو وہ عارضی ضرورت ہوتی ہے اُس وقت اِس کا فائدہ صرف اتنا ہوتا ہے کہ بچہ کو ایسی دلچسپی پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ محو ہو کر سو جاتا ہے۔ ماں باپ کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ہمارا وقت ضائع نہ ہو اِس لئے وہ اُسے لٹا کر کہانیاں سُناتے ہیں یا اُن میں سے ایک اسے سلاتا ہے اور دوسرا کام میں لگا رہتا ہے یا پھر ایک سُناتا ہے اور باقی خاندان آرام سے کام کرتا ہے اگر اِس وقت فضول اور لغو کہانیاں بھی سُنائی جائیں تو یہ مقصد حاصل ہو جاتا ہے مگر ہم اِس پر خوش نہیں ہوتے بلکہ چاہتے ہیں کہ ایسی کہانیاں اُسے سنائیں کہ اُس وقت بھی فائدہ ہو یعنی ہمارا وقت بچ جائے اور پھر وہ آئندہ عمر میں بھی اُسے فائدہ پہنچائیں اور جب کہانیوں کے متعلق یہ کوشش کرتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ کھیل کے معاملہ میں بچوں کو یونہی چھوڑ دیں کہ جس طرح چاہیں کھیلیں۔ اگر یہ طریق کھیلوں کے متعلق درست ہے تو کہانیوں کے متعلق کیوں اِسے اختیار نہیں کیا جاتا اور کیوں نہیں بچوں کو چھوڑ دیا جاتا کہ جیسی بھی کہانیاں ہوں سُن لیں۔ جب کہانیوں کے متعلق ہمارا یہ نظریہ ہے کہ وہ ایسی ہوں جو اُسے سُلا بھی دیں اور عُمدہ باتیں بھی سکھائیں تو کھیلوں کے متعلق یہی نظریہ کیوں پیش نظر نہ رکھا جائے کیوں نہ بچوں کو ایسی کھیلیں کھلائی جائیں جن سے اُن کا جسم بھی مضبوط ہو، ذہن بھی ترقی کرے اور پھر وہ آئندہ زندگی کے لئے سبق آموز بھی ہوں۔ مثلاً مَیں نے جلسہ سالانہ کے موقع پر بھی بتایا تھا کہ تیرنا ہے یہ کھیل کی کھیل ہے اِس میں مقابلے کرائے جائیں تو بہت دلچسپی پیدا ہو سکتی ہے، غوطہ زنی میں لوگ مقابلے کرتے ہیں اور ایسی دلچسپی پیدا ہوتی ہے کہ مقابلہ کرنے والے اس وقت یہی سمجھتے ہیں کہ گویا زندگی کا مقصد یہی ہے۔ بچوں کے لئے تیرنا بھی ایسی ہی دلچسپی کا موجب ہو سکتا ہے جیسا فٹ بال، کرکٹ یا ہاکی وغیرہ اور پھر یہ ان کے لئے آئندہ زندگی میں مُفید بھی ہو سکتا ہے۔ کبھی کشتی میں

آدمی سفر کر رہا ہو، کشتی ڈوب جائے تو وہ اپنی جان بچا سکتا ہے یا کنارے پر بیٹھا کوئی کام کر رہا ہو اور کوئی ڈوبنے لگے تو اُسے بچا سکتا ہے۔ تو تیرنا صرف اس زمانہ کے لئے کھیل ہی نہیں بلکہ آئندہ زندگی میں اسے فائدہ دینے والی چیز ہے۔ وہ بحری فوج میں آسانی سے داخل ہو سکتا ہے، جہاز رانی میں اِس سے فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔ گویا یہ تمام عمر میں اِسے فائدہ پہنچانے والا ہُنر ہے اور اِس لئے ایسی کھیل کی بجائے جو صرف بچپن میں کھیل کے ہی کام آئے یہ ایک ایسی کھیل ہے جو ساری عمر اس کے کام آ سکتی ہے۔ اِسی طرح تیراندازی ہے، غلیل چلانا ہے اِس سے ورزش بھی ہوتی ہے، بچے شکار کے لئے باہر جاتے ہیں اور دور نکل جاتے ہیں اور اِس طرح تازہ ہوا بھی کھاتے ہیں۔ بدن بھی مضبوط ہوتا ہے، غلیل چلانے سے جسم میں طاقت آتی ہے۔ اِس کے مقابلے کرائے جا سکتے ہیں کہ کون زیادہ دور تیر پھینکتا ہے یا غلیلہ پھینک سکتا ہے۔ غلیل جتنی زیادہ سخت ہو مگر لچکنے والی ہو اُتنا ہی غلیلہ زیادہ دُور جاتا ہے۔ مگر اِس لچکانے کے لئے طاقت ضروری ہوتی ہے جتنا کوئی زیادہ مضبوط ہو اُتنا ہی زیادہ دُور غلیلہ پھینک سکتا ہے کیونکہ وہ اتنا ہی غلیل کو زیادہ کھینچ کر لچکا سکتا ہے۔ یہ چیز ورزش کا بھی موجب ہے۔ شکار کے لئے زیادہ چلنا پڑتا ہے، تازہ ہوا کھانے کا بھی موقع ملتا ہے اور پھر یہ ساری عمر کام آتی ہے۔ غلیل چلانے والا بندوق کا نشانہ بندوق پکڑتے ہی سیکھ سکتا ہے۔ ہم بچپن میں غلیل چلایا کرتے تھے اور مجھے یاد نہیں کہ کسی نے کبھی مجھے بندوق کا نشانہ سکھایا ہو۔ پہلی دفعہ شیخ عبدالرحیم صاحب کہیں سے بندوق مانگ کر لائے۔ مَیں اُس وقت بہت چھوٹا تھا اور وہ پہلا نشانہ تھا اُنہوں نے پیچھے سے پکڑ رکھا اور مَیں نے بندوق چلائی۔ گو مَیں خود بھی گر پڑا مگر جس جانور کا نشانہ کیا تھا وہ بھی گر گیا۔ اِدھر میں گرا اور اُدھر وہ۔ مَیں نے دیکھا ہے بعض لوگ جو سپاہیوں میں بھرتی ہوتے ہیں وہ مدتوں اِس وجہ سے افسروں کی جھڑکیاں کھاتے ہیں کہ ٹھیک نشانہ نہیں کر سکتے اور اِس کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ بچپن میں کوئی ایسا کام نہیں کیا ہوتا کہ نشانہ کی مشق ہو سکے۔ اگر بچپن میں تیر یا غلیلہ چلانے کی مشق ہو تو جب بھی بندوق چلانے لگیں فوراً نشانہ درست ہو سکتا ہے اور پھر اِس سے بچپن میں صحت بھی درست ہو سکتی ہے۔ اچھی ہوا سے تر و تازگی بھی حاصل کر سکتے ہیں، ذہنوں میں بھی روشنی پیدا ہو سکتی ہے اور پھر بڑے ہو کر یہی کھیل ان کے لئے ایک ہُنر ثابت ہو سکتا ہے۔

اِسی طرح دوڑنا ہے جو اپنی ذات میں بہت دلچسپ کھیل ہے اِس کے بھی مقابلے کرائے جاتے ہیں جن سے لاتوں کو بڑا فائدہ ہوتا ہے۔ لوگ ایسی ورزشیں کرتے ہیں کہ جن سے جسم کا ایک حصّہ تو مضبوط ہوتا ہے مگر باقی کمزور ہو جاتے ہیں لیکن دوڑنا لاتوں کے لئے بھی مُفید ہے اور پیٹ کے لئے بھی۔ جو لوگ دوڑنے کے عادی ہوں اُن کا پیٹ نہیں بڑھتا۔ یہ کھیل بھی ہے اور آئندہ زندگی میں بھی بڑے کام کی چیز ہے۔ اگر انسان سپاہی ہو تو دُشمن کے تعاقب کے لئے یا اگر کسی وقت پیچھے ہٹنا پڑے تو اپنی جان بچانے کے کام آ سکتا ہے۔ آئے دن ایسے واقعات ہوتے رہتے ہیں کہ چور مال لے کر بھاگ جاتے ہیں کیونکہ اُن کو بھاگنے کی مشق ہوتی ہے مگر گاؤں والے ہانپتے ہوئے پیچھے رہ جاتے ہیں کیونکہ اُن کو مشق نہیں ہوتی۔ اگر بھاگنے کی مشق ہو تو چوروں کو پکڑ سکتے ہیں۔ اِسی طرح بیسیوں مواقع زندگی میں ایسے آتے ہیں کہ اگر انسان کو بھاگنے کی مشق ہو تو کام سُدھر جاتے ہیں۔ اِسی طرح اَور بیسیوں ایسی کھیلیں ہیں جو مُفید ہو سکتی ہیں۔ دو تین روز ہوئے بورڈنگ ہائی سکول میں ایک جلسہ ہؤا تھا جس میں مَیں نے ایسی کھیلیں تفصیل سے بیان کی تھیں جن سے ذہنی ترقی کا کام لیا جا سکتا ہے اور وہ کھیلوں کا کام بھی دے سکتی ہیں اور پھر آئندہ زندگی میں بھی مُفید ہو سکتی ہیں۔ اِس وقت مَیں وہ ساری تو بیان نہیں کر سکتا صرف مثال کے طور پر چند ایک بیان کر دیتا ہوں مثلاً مَیں نے بتایا تھا کہ ہمارے مُلک میں بعض ایسی کھیلیں ہیں جو ذہنی ترقی کے لئے مُفید ہو سکتی ہیں مگر اُن سے پورا فائدہ نہیں اُٹھایا جاتا۔ بچپن میں ایک کھیل یہ کھیلی جاتی ہے کہ ایک بچہ آنکھیں بند کر کے بیٹھ جاتا ہے۔ لاتیں لمبی کر لیتا ہے، ایک اس کے پیچھے بیٹھ کر اِس کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیتا ہے پھر ایک ایک کر کے دوسرے لڑکے اُس کی ٹانگوں پر سے گزرتے ہیں اور پیچھے بیٹھنے والا پوچھتا ہے کہ کون گزرا؟ اُسے اجازت نہیں ہوتی کہ گزرنے والے کے جسم کو ہاتھ لگائے۔ صرف لباس کی آواز سے وہ پہچانتا ہے کہ کون گزرا؟ اگر وہ ٹھیک بتا دے تو کامیاب سمجھا جاتا ہے اور دوسرا ہار جاتا ہے۔ اِس کھیل سے شنوائی کی طاقت اور توجہ کا مادہ بڑھتا ہے۔ یہ کھیل چھوٹے بچوں کی ہے مگر اِسے بنانے والے نے اِس میں بہت حکمت رکھی ہے جس کے کان عادی ہو جائیں کہ کپڑے کی آواز سے آدمی کو پہچان لے یا خیال سے معلوم کرے کہ کون گزرا ہے تو وہ پولیس اور سکاؤٹ میں کتنا مُفید ثابت

ہوسکتا ہے۔ ایسا شخص اگر پولیس میں جائے گا تو یقیناً بہت ترقی کرے گا۔ پھر ایک کھیل یہ ہوتا ہے کہ پیچھے سے آ کر آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیا جس کی آنکھیں اِس طرح بند کر دی جائیں اُس کا حق ہوتا ہے کہ پہچانے اور ہاتھ کو ہاتھ لگا کر پہچانے۔ اِس طرح ہاتھوں کے لمس سے پہچاننے کی مشق ہوتی ہے۔ یہ کھیل رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بھی ثابت ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک صحابی بہت بدصورت اور کریہہ المنظر تھے، قد چھوٹا تھا اور جسم پر بال بڑے بڑے تھے۔ ایک دفعہ وہ بازار میں مزدوری کر رہے تھے پسینہ بہہ رہا تھا اور گرمی کی وجہ سے سخت گھبرائے ہوئے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ابھی لڑ پڑیں گے۔ پیچھے سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم آئے۔ آپ کو اُن کی حالت پر رحم آیا اور اُن کی دلجوئی کرنا چاہی اور اُن کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیئے جس کے معنے یہ تھے کہ بتاؤ کون ہے؟ اُنہوں نے ہاتھ پر ہاتھ پھیرا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم بہت نرم تھا اِس لئے وہ پہچان گئے اور مذاق کے لئے آپ کے جسمِ مُبارک کے ساتھ اپنا پسینہ والا جسم ملنے لگے اور کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! مَیں نے پہچان لیا ہے۔[1]

یہ کھیل بھی درحقیقت اپنے اندر ایک عُمدہ مشق رکھتی ہے۔ بشرطیکہ بچوں کو عُمدگی سے کِھلائی جائے اور کوشش کی جائے کہ پورا پورا فائدہ حاصل ہو۔ یہ کھیلیں ایسی ہیں کہ ان سے اتنی مشق ہو جاتی ہے کہ انسان بڑے بڑے کمالات ظاہر کرسکتا ہے۔ مَیں نے پہلے بھی کئی بار بتایا ہے کہ امریکہ کی ایک قوم ہے جسے ریڈ انڈین یعنی سُرخ ہندوستانی کہا جاتا ہے کیونکہ جب یورپ والے پہلے پہل امریکہ گئے تو اُن کا خیال تھا کہ ہندوستان یہی ہے بعد میں معلوم ہؤا کہ ہندوستان اور ہے۔ ان لوگوں کا رنگ سُرخی مائل ہوتا ہے اِس لئے اِن کو ریڈ اِنڈین کہتے ہیں۔ اُنہوں نے کانوں کی مشق میں بہت کمال حاصل کیا ہوتا ہے۔ لوگ پہلے زمانہ میں اِن کو مزدوری پر جنگلوں میں راہنمائی کے لئے لے جاتے تھے یا جب چور یا ڈاکو لوٹ مار کر کے بھاگتے تھے تو اِن میں سے کسی کو لالچ دے کر ساتھ لے جاتے تھے اور جنگل میں چھُپ جاتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ لوگ زمین پر کان لگا کر دو تین میل کے فاصلہ پر سے بتا دیتے تھے کہ گھوڑے فلاں جہت سے دوڑے آ رہے ہیں اور یہ کوئی معجزہ نہیں نہ ہی وہ کوئی غیر معمولی انسان ہوتے ہیں بلکہ یہ صرف مشق کی بات ہے۔ اِس قوم نے کانوں کی مشق سے ایسے اصول دریافت کر لئے ہیں

کہ ایسی باتیں معلوم کر لیتے ہیں جو دوسروں کو معلوم نہیں ہوسکتیں اور اِس طرح چور یا ڈاکو اِن کی اطلاع پر وہاں سے بھاگ کر دوسری جگہ جا چھُپتے۔ اگر آنکھوں سے دیکھ کر چھُپنے کی کوشش کی جائے تو بچنا محال ہو جاتا ہے کیونکہ سوار پکڑ سکتے ہیں مگر جب وہ تین میل کے فاصلہ پر سے ہی اطلاع مل جائے تو اُن کے وہاں پہنچنے تک وہ آگے نکل کر جا سکتے ہیں۔ اِس طرح زبان، ناک، ہاتھ اور کان کی مشق بہت کام آنے والی چیزیں ہیں۔ ان سے ذہانت میں بھی ترقی ہوتی ہے۔ ذہانت حواسِ خمسہ کی تیزی کا نام ہے اور حواس کی تیزی کے لئے ایسی کھیلیں ایجاد کی جاسکتی ہیں بلکہ ہمارے بزرگوں نے ایجاد کی ہوئی ہیں۔ جو کھیل کی کھیل ہیں اور آئندہ زندگی کے فوائد بھی اُن میں مخفی ہیں۔ خدّام الاحمدیہ کو چاہئے کو اِس بات کو اپنی سکیم میں شامل کریں اور جماعت میں اِن کو رائج کریں۔

مَیں نے جلسہ سالانہ کے موقع پر بھی کہا تھا کہ جماعت ورزش جسمانی کی طرف خاص طور پر زور دے اور اب مَیں یہ کام بھی خدّام الاحمدیہ کے سپرد کرتا ہوں کیونکہ یہ نوجوانوں سے تعلق رکھتا ہے۔ پس خدّام الاحمدیہ اِسے قادیان میں بھی اور باہر بھی شروع کریں۔ مجھ سے مشورہ کرکے وہ ایسی سکیمیں تیار کر سکتے ہیں کہ جن کے ذریعہ ایسی کھیلیں جماعت میں جاری کی جاسکیں جو آئندہ زندگی میں کام آنے والی ہوں۔

نویں بات جس کی طرف میں خدّام الاحمدیہ کو توجہ دلاتا ہوں وہ علم کا عام کرنا ہے۔ مَیں پہلے اِن کو توجہ دِلا چُکا ہوں کہ اِن کا فرض ہے کہ علم سیکھیں لیکن یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ کسی شخص کا نیکی حاصل کرنا اُسے بچا نہیں سکتا جب تک اُس کے اردگرد بھی نیکی نہ ہو۔ آپ اپنے بچے کو کتنا سچ بولنے کی عادت کیوں نہ ڈالیں وہ کبھی سچا نہیں ہوسکتا جب تک اُس کے محلّہ میں دوسرے بچے جھوٹ بولتے ہیں۔ پس ان کا اپنا علم حاصل کر لینا کام نہیں آ سکتا جب تک کہ دوسروں میں تعلیم کی اشاعت نہ کریں۔ کچھ عرصہ سے مَیں نے ان کے سپرد یہ کام کیا ہوا ہے کہ قادیان میں کوئی اَن پڑھ نہ رہے اور جب یہاں یہ کام ہو جائے گا تو پھر باہر بھی اِسے شروع کیا جائے گا۔ اِنہوں نے کچھ عرصہ سے اِس کے متعلق کوئی رپورٹ مجھے نہیں بھیجی۔ اِس لئے مَیں نہیں کہہ سکتا کہ یہ کام ہو رہا ہے یا نہیں۔ یہ کام اتنا اہم تھا کہ اِن کو یہ سمجھنا چاہئے تھا کہ اِس کے متعلق ہفتہ واری رپورٹ

ضروری ہے مگر آج مَیں یہ کام پھر خصوصیت کے ساتھ اِن کے سپرد کرتا ہوں اور ان کو توجہ دلاتا ہوں کہ اِسے پہلے یہاں شروع کریں اور پھر باہر۔ اور کوشش کریں کہ سال دو سال کے عرصہ میں کوئی احمدی ایسا نہ ہو جو پڑھا ہوا نہ ہو۔ خواہ احمدی عورت ہو یا مرد، بچہ ہو یا بوڑھا سب پڑھے ہوئے ہونے چاہئیں۔ اِس کے لئے چھوٹے سے چھوٹا معیار مقرر کرلیا جائے اور پھر اِس کے مطابق سب کو تعلیم دی جائے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ جب تک علم عام نہ ہو جماعت پورا فائدہ نہیں اُٹھا سکتی۔ اِس زمانہ میں علم کتابی ہو گیا ہے مگر پہلے زمانہ میں زبانی ہوتا تھا۔ پہلے زمانہ میں علم کانوں کے ذریعہ سکھایا جاتا تھا مگر اب کتابوں کے ذریعہ۔ اِس لئے خدّام الاحمدیہ کو کوشش کرنی چاہئے کہ ہر احمدی لکھنا پڑھنا سیکھ جائے۔ عربوں میں زبانی حفظ کرنے کا رواج تھا اور اِس کا یہاں تک اثر ہے کہ صرف ونحو کی بعض کتابیں وہ ہر طالب علم کو حفظ کراتے ہیں۔ پُرانے زمانہ میں علماء کے لئے قرآن کریم کو حفظ کرنا ضروری سمجھا جاتا تھا، حدیثوں کو یاد کرنا محدّثین کے لئے ضروری ہوتا، شاعروں میں شعر زبانی یاد کرنے کا رواج تھا، صرفی نحوی صرف ونحو کی کتابیں یاد کرتے تھے۔ فقہاء فقہی کتابیں حفظ کرتے تھے مگر آج کل تو قرآن کریم کا حفظ کرنا بھی ضروری نہیں سمجھا جاتا۔ کتابیں عام ہیں جب ضرورت ہوئی دیکھ لیا مگر اُس زمانہ میں کتابیں عام نہ تھیں اِس لئے حفظ کرنا ضروری سمجھا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ اس زمانہ میں کتاب لکھنا یا پڑھنا موجبِ عار سمجھا جاتا تھا اور اِس کے یہ معنی سمجھے جاتے تھے کہ حافظہ کمزور ہے۔ وہ شاعر، شاعر ہی نہیں سمجھا جاتا تھا جس کے شعر لکھے جائیں۔ اِس کے یہ معنے ہوتے تھے کہ گویا اس کی قوم نے اس کی قدر نہیں کی۔ اگر قوم قدر کرتی تو اس کے شعر حفظ کرتی۔ اِسی واسطے جو بڑے بڑے شُعراء ہوتے تھے ان کے ساتھ ایسے لوگ رہتے تھے جو اُن کے شعر حفظ کرتے۔ ان کو راویہ کہا جاتا تھا اور توجہ اور مشق سے حافظے اتنے تیز ہو جاتے تھے کہ بعض کو لاکھ لاکھ، دو دو لاکھ اور تین تین لاکھ شعر زبانی یاد ہوتے تھے۔ ایران کا ایک مشہور واقعہ ہے کہ ایک بادشاہ تھا اُس زمانہ میں وہاں عربی کا زیادہ رواج تھا۔ اسلامی ممالک میں زیادہ تر یہی زبان رائج ہوتی تھی۔ بادشاہ کو سخاوت کی عادت تھی۔ شعراء آتے شعر سُناتے اور بڑے بڑے انعام پاتے تھے۔ وزیر نے اس سے کہا کہ شعراء تو اِس طرح لُوٹ کرلے جائیں گے اور خزانہ میں کمی آجائے گی۔ اِس لئے

آپ ہر ایک کو انعام نہ دیا کریں بلکہ قید لگا دیں کہ صرف اُسی شاعر کو انعام دوں گا جو کم سے کم ایک لاکھ شعر سنا سکتا ہو۔ بادشاہ نے یہ مان لیا اور اعلان ہو گیا کہ جب تک کسی شاعر کو کم سے کم ایک لاکھ شعر یاد نہ ہو وہ دربارِ شاہی میں باریابی حاصل نہ کر سکے گا۔ اب لاکھ شعر کا یاد کرنا ہر ایک کے لئے تو مُشکل ہے کسی کو پانچ ہزار، دس ہزار یاد ہوتے، کسی کو بیس ہزار، کسی کو تیس یا چالیس ہزار اور اِس اعلان کا نتیجہ یہ ہوُا کہ عام اُدباء اور شعراء کو موقع نہیں مل سکتا تھا اور وہ بھوکے مرنے لگے۔ ان کو خیال آیا کہ اِس طرح تو مُلک کے علم ادب کو نقصان پہنچے گا اِس زمانہ میں وہاں ایک بہت بڑے اور مشہور ادیب تھے۔ سب اکٹھے ہو کر اُن کے پاس پہنچے اور کہا کہ اِس سے مُلک کے علم ادب کو بہت نقصان پہنچے گا اِس لئے آپ بادشاہ سے ملیں اور اِس بات پر آمادہ کریں کہ ایک لاکھ کی تعداد میں کمی کر دے۔ وہ بالکل الگ تھلگ رہتے تھے۔ بادشاہ نے ان کو بعض دفعہ بلوایا بھی تھا مگر اُنہوں نے انکار کر دیا تھا کیونکہ وہ اپنی ذات میں اپنے آپ کو ادب کا بادشاہ سمجھتے تھے مگر یہ چونکہ ایک ادبی خدمت تھی اِس لئے وہ بادشاہ سے ملنے کے لئے تیار ہو گئے۔ چنانچہ وہ گئے اور اطلاع کرائی۔ دربانوں نے نام پوچھا مگر اُنہوں نے نام بتانے سے انکار کر دیا اور کہا کہ ایک شاعر ملنا چاہتا ہے۔ دربانوں نے کہا کہ شاعروں کے لئے یہ شرط ہے کہ انہیں کم سے کم ایک لاکھ شعر یاد ہونا چاہئے پہلے درباری امتحان لیں گے اور اگر کوئی ایک لاکھ شعر سُنا سکے تو اُسے باریابی کا موقع دیا جائے گا ورنہ نہیں۔ اُنہوں نے پیغامبر سے کہا کہ جا کر بادشاہ سے پوچھو کہ وہ کون سے ایک لاکھ شعر سُننا چاہتا ہے؟ اسلام کے زمانہ کے یا زمانۂ جاہلیت کے؟ مردوں کے یا عورتوں کے؟ مَیں ہر قسم کے ایک ایک لاکھ شعر سُنانے کو تیار ہوں۔ جب بادشاہ کو یہ اطلاع پہنچی تو وہ سمجھ گیا۔ اِنہی کا نام لیا اور کہا کہ وہی ہوں گے۔ ننگے پاؤں بھاگ آیا اور کہا کہ فرمایئے کیا خدمت ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ آپ کے اِس حکم سے مُلک پر یہ ظلم ہو رہا ہے کہ اِس کے ادب کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ اِس شرط کے ہوتے ہوئے کوئی خاص شاعر ہی باریاب ہو سکتا ہے اور جو اتنا بڑا ادیب ہو اُسے آپ کی مدد کی کیا احتیاج ہو سکتی ہے اور وہ دربار میں کیوں آئے گا؟ اِسے تو گھر بیٹھے ہی روزی ملے گی اِس لئے اِسے منسوخ کر دیں۔ بادشاہ نے کہا بہت اچھا مَیں اِسے منسوخ کرتا ہوں اور جب یہ شرط لگائی تھی تو میرا ایک مقصد

یہ بھی تھا کہ شاید آپ اِسے منسوخ کرانے کے لئے آئیں۔ تو حافظہ پر زور دینے کی وجہ سے پُرانے زمانہ میں ایسے ایسے لوگ بھی ہوتے تھے جو لاکھوں شعر زبانی یاد رکھتے تھے۔ کہتے ہیں امام شافعی نے پانچ سال کی عمر میں قرآن شریف حفظ کر لیا تھا۔ بوجہ حافظہ پر عام طور پر زور دینے کے اِس زمانہ میں لوگوں کے حافظے بہت تیز ہوتے تھے۔ ایک دو دفعہ ہی بات سُن کر یاد کر لیتے تھے مگر اب کتابوں کے عام ہو جانے کی وجہ سے حافظہ کی تیزی کو بالکل نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ اِس لئے خدّام الاحمدیہ کو ضمنی طور پر اِس طرف بھی توجہ دینی چاہئے اور یاد رکھنا چاہئے کہ جب تک قوم کی عام رغبت اِس طرف نہ ہو ایک دو کی کوشش سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ پہلے زمانہ میں حافظہ کے ذریعہ لوگ عالم ہوتے تھے مگر آجکل کتابیں پڑھنے سے ہوتے ہیں۔ اِس لئے جماعت کے ہر فرد کو کچھ نہ کچھ لکھنا پڑھنا آنا چاہئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اِس کا اتنا خیال رکھتے تھے کہ بدر کی جنگ میں جو کفار قید ہوئے ان میں سے جو فدیہ ادا نہ کر سکتے تھے آپ نے اُن کے لئے یہ شرط لگائی کہ دس دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں اور جب اُنہوں نے سکھا دیا تو اُن کو چھوڑ دیا[۲] تو خدّام الاحمدیہ کے تعلیم کے عام کرنے کی طرف خاص توجہ کرنی چاہئے۔ اگر وہ یہ کر لیں تو جماعت کے اخلاق بھی بُلند ہو سکتے ہیں، پڑھنا آتا ہو تو وہ حضرت صاحب کی کُتب بھی پڑھ سکیں گے، دینی کُتب کا مطالعہ کریں گے، تصوف کی کوئی کتاب پڑھیں گے اور اُن کا وقت بھی ضائع نہ ہوگا۔ کتابیں پڑھنے سے ان کا ذہن صیقل ہوگا اور پھر اخلاق بُلند ہوں گے۔

یہ نو چیزیں ہیں جو مَیں خدّام الاحمدیہ کے لئے پیش کرتا ہوں اور اُمید کرتا ہوں کہ ان کو خصوصیت سے سامنے رکھ کر وہ کام کریں گے اور ان کو اپنا قریبی مقصد قرار دیں گے اور پھر اِس کے حصول کے لئے پوری پوری کوشش کریں گے۔ اِس کے ساتھ کچھ اور مضامین بھی ہیں مگر اب چونکہ کافی وقت ہو گیا ہے اِس لئے اِسی پر بس کرتا ہوں۔

اِسی ہفتہ میں خدّام الاحمدیہ کی طرف سے مجھے ایک درخواست آئی تھی کہ وہ تفصیلی ہدایات کے لئے مجھے ملنا چاہتے ہیں وہ مل کر مجھ سے ہدایات لے سکتے ہیں۔

عملی سکیم اور کام کرنے کا طریق یہ ایک علیحدہ مضمون ہے جو صرف اُن سے ہی تعلق رکھتا ہے۔

اِس لئے جب وہ ملیں گے تو اُن کے سامنے ہی اِسے بیان کروں گا۔ مَیں اُمید کرتا ہوں کہ وہ استقلال اور ہمت سے کام کریں گے اور ایسے رنگ میں کریں گے کہ ساری جماعت کو شامل کرسکیں اور مَیں نے اِسی غرض سے یہ خطبات پڑھے ہیں۔ چند افراد کی حیثیت ایسی نہیں ہوتی کہ ان کے لئے اتنے خطبے پڑھے جائیں اِس لئے اِن کو ایسے رنگ میں کام کرنا چاہئے کہ وہ ساری جماعت پر حاوی ہو اور مستقل حیثیت اختیار کرسکے۔'' (الفضل ۲۸؍ مارچ ۱۹۳۹ء)

۱؎ شمائل الترمذی باب مَا جاء فِی صِفَةِ مزاحِ رَسُوْلِ اللہ صَلَّی اللہ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

۲؎ زرقانی جلد۲ صفحہ ۲۴۳ مطبوعہ بیروت ۱۹۹۶ء